زیب النساء اور مورخین کی افسانہ طرازی

صوفی عبدالرشید

اگر تاریخ کے کسی دور کی عظمت کا معیار مختلف تہذیبی اور ثقافتی مظاہر رہے ہیں، تو اس اعتبار سے مغلیہ عہد کا
ورپہ برصغیر کی تاریخ کا شاندار دور کہلانے کا مستحق ہے۔ وسعت ملکی میں مغلوں کے جاہ و جلال کا سکہ جہاں پورے
صغیر میں چلتا رہا، وہاں علوم و فنون کی ترقی بھی اس عہد کا طرۂ امتیاز رہی۔ بابری خاندان کے تاجداروں نے معارف
وری اور علم دوستی کی وہ مثال قائم کی کہ دور دراز سے علماء و فضلاء کھنچے ہوئے ان کے درباروں میں چلے آئے۔
س کا ایک سبب جسے اکثر مورخین نے بیان کیا ہے یہ تھا کہ مغلوں نے ارباب علم و فن کی تربیت میں خزانوں کے
منہ کھول دیئے تھے۔ لیکن اس ضمن میں یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ اس خاندان کے اکثر فرمانروا خود دولت
علم سے بہرہ مند تھے۔ یہی وجہ تھی کہ "آشنا سخن آشنا نگہدارد" کے مصداق ان کے دربار علماء اور اہل فن کے لئے بے پایاں
شش کا باعث بن گئے تھے۔ حکمرانی اور کشورستانی کی مشغولیتوں کے پہلو بہ پہلو ان شہنشاہوں نے علم و ادب اور
تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ بابر نہ صرف اپنی خود نوشت میں حقیقت
ماری، انشاپردازی اور اسلوب کی دلآویزی کے جوہر دکھاتا ہے بلکہ ترکی شاعری میں بھی مؤلف تاریخ رشیدی
ے بقول امیر علی شیر نوائی کے بعد دوسری بڑی اہم شخصیت قرار پاتا ہے۔ جہانگیر کی تزک زبان کی سادگی و سلاست
و بیان کی خوبی و لطافت کا بہترین نمونہ سمجھی جاتی ہے۔ عالمگیر کے رقعات برصغیر کے فارسی ادب میں ایک منفرد
مقام کے حامل ہیں۔ ہمایوں کی زندگی کا بیشتر حصہ دربدری میں بسر ہوا اس لئے وہ باپ کی طرح رسوائے طولان
لے) کوئی تصنیفی کارنامہ انجام نہ دے سکا لیکن اس کی علم دوستی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کی موت
تب خانے کی سیڑھیوں سے گر کر واقع ہوئی[1]۔ اکبر اگرچہ اوائل عمر میں نامساعد حالات کے باعث رسمی تعلیم سے

بہرہ اندوز نہ ہو سکا لیکن اس کی شاہانہ فیاضیوں کے طفیل میں اگر ایک طرف برصغیر کی فضائیں شیراز و اصفہان کے جانفزا نغموں سے گونج رہی تھیں تو دوسری جانب یہاں کے در و بام علم کے نور سے جگمگا رہے تھے۔ شاہجہان کا ذوقِ جمال "تاج محل" ہی کی تعمیر کا باعث نہیں بنا، قدسی اور کلیم کی زمزمہ سنجیوں کو بھی زندہ جاوید کر گیا۔ اس کی علم پروری کا اندازہ کرنا ہو تو علامہ سعد اللہ خاں کے مقام سے کیجئے یا اس کی جھلک محمد صالح کنبوہ اور حمید لاہوری کے ہاں دیکھئے۔

اس خاندان کے شہزادوں میں دارا شکوہ کی تصانیف سے کون صرف نظر کر سکتا ہے؟ "سفینۃ الاولیاء" اور "سکینۃ الاولیاء" کے ساتھ ساتھ اس کا دیوان بھی بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے جس میں قدم قدم پر اس نے شاعرانہ فکر و خیال کے گلستان سجائے ہیں اور وحدۃ الوجود کے پردے میں وحدت حیات کے رموز سمجھائے ہیں۔ خواتین میں بابر کی بیٹی گلبدن بیگم کی تصنیف شاہکار "ہمایوں نامہ" سیدھے سادے لیکن دل نشین اسلوب میں اس عہد کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی کے بہت سے گوشوں کی نقاب کشائی کرتا ہے۔

مغلوں کی سرپرستی میں فارسی شعر و ادب نے ایک نئی آن اور نرالی شان پیدا کی۔ مضمون کی نزاکتیں، جذبے کی رعنائیاں، فکر کی عظمتیں اور اسلوب کی رنگینیاں برصغیر کی فارسی شاعری کو وہ رنگ و آہنگ عطا کرتی ہیں کہ ایران کی زمزمہ سنجیوں کے مقابلے میں اس کی انفرادی حیثیت کو ہم آسانی کے ساتھ جان اور پہچان سکتے ہیں۔ اس دور میں جبکہ ایران میں شاعری کا بازار قریب قریب سرد ہو چکا تھا، برصغیر میں فارسی شاعری کی حیات نو کے سامان فراہم ہو رہے تھے۔ بادشاہوں اور امراء کے دربار تو شعراء کا مرجع تھے ہی لیکن حرم سرائیں اور خلوت گاہیں بھی شعر کے سحر سے خالی نہ تھیں۔ ناخواندہ کنیزیں اور خادمائیں تک روزمرہ کی معمولی بات چیت میں مصرعے کے مصرعے موزوں کرتی چلی جاتی تھیں۔ فیضی، عرفی، نظیری، طالب، کلیم، صائب اور سلیم کی بہار آفرینیاں اور دل سوزیاں اسی ماحول میں پنپ سکیں۔ ظہوری، قدسی، غنی، ناصر علی، بیدل، غنیمت کنجاہی اور منیر لاہوری کی نکتہ سنجیاں بھی اسی فضا کی رہین منت ہیں۔

مغلوں کے عہد میں فارسی شعر و ادب نے ارتقا کے جو مراحل طے کئے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی اس خطۂ زمین کے اطراف و اکناف میں فارسی زبان و ادب سے دل بستگی کے آثار بڑے صاف، اجلے اور روشن نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود اردو شعر و ادب کی روایات میں فارسی ادب کے اثرات سے صرف نظر کسی صورت میں بھی ممکن نہیں کہ اس زبان کی پرورش و

پرداخت بھی حافظ، سعدی، رومی، فغانی، عرفی، نظیری اور صائب کے افکار کے سائے میں ہوئی۔

ادبی ماحول کی بھی شادابی و شگفتگی تھی جس میں اورنگ زیب کی چہیتی بیٹی زیب النساء نے تعلیم و تربیت کی منزلیں طے کیں۔ اورنگ زیب اپنے مذہبی رجحان کے باعث شاعرانہ مدح سرائی کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ اور اسی سبب سے اس نے اپنے عہد میں ملک الشعرائی کا منصب ختم کر دیا تھا۔ لیکن وہ نفس شاعری کا ہرگز مخالف نہ تھا۔ تاریخ میں ایسے کئی شواہد ملتے ہیں کہ اس نے نہ صرف اچھے شعر پر خوشنودی کا اظہار کیا بلکہ کبھی کبھی خود بھی شعرگوئی کی طرف مائل ہوا۔ رقعات میں وہ مرتع بمرتع اساتذہ ایران کے اشعار نقل کرتا چلا جاتا ہے۔ مثنوی مولانا روم کا ایک انتخاب بھی اس سے منسوب ہے۔ وقائع نگار یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس نے ایک بیاض رکھی ہوئی تھی جس میں وہ فارسی شعراء کے پسندیدہ اشعار درج کیا کرتا تھا۔ بہرطور اگر اس کے عہد میں اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کی طرح شعراء کی پذیرائی نہ ہو سکی، تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خود بھی ذوق سخن سے عاری تھا یا نفس شاعری کو مٹا دینے کے درپے تھا۔ اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو ناممکن تھا کہ زیب النساء کے شاعرانہ جوہر اس قدر کھل کر نمایاں ہونے پاتے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ شہزادی کے ذوق سخن کی آبیاری میں خود اورنگ زیب کی تشویق کو بڑا دخل تھا۔

زیب النساء بیگم ۱۰ شوال ۱۰۴۸ھ کو دل رس[۲] بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی۔ اس کی ماں شاہنواز خان صفوی کی بیٹی تھی جو جہانگیر اور شاہجہان کے دور حکومت میں معزز عہدوں پر فائز رہا۔[۳] زیب النساء ذرا بڑی ہوئی تو شاہی دستور کے مطابق اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہوا۔ عالمگیری امراء میں عنایت اللہ خان ایک بڑے منصب کا مالک تھا اس کی والدہ حافظہ مریم ایک تعلیم یافتہ خاتون تھی۔ زیب النساء کی تعلیم کے لئے عالمگیر کی نظر انتخاب اس پر پڑی۔ شہزادی نے اس معزز خاتون کے زیر تربیت مختصر سی مدت میں نوشت و خواند کے علاوہ قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ جس کے صلے میں عالمگیر نے تیس ہزار اشرفیاں بطور انعام عطا کیں۔[۴] شہزادی نے تعلیم و تربیت کی بقیہ منازل بڑی خوش اسلوبی سے طے کیں اور علوم عربی و فارسی میں مہارت تامہ بہم پہنچالی۔ علم و ادب سے اس کے ذوق و شغف نے یہ صورت پیدا کر لی کہ اس عہد کے جید علماء و فضلاء اس کی سرکار سے وابستہ رہنے لگے۔ اس کی کچھ تفصیل ساقی مستعد خان سے سنئے۔

"شاہزادی ہنر پرور و علم شناس تھیں اور ہمیشہ کتابوں کے جمع کرنے اور نیز جدید تصنیف و تالیف کو جاری رکھنے میں کوشاں رہتی تھیں۔ شاہزادی کا کتب خانہ ہر حیثیت سے نادر الوجود تھا۔ علماء و فضلاء اور خوشنویسوں کا ایک

گروہ اس کی سرپرستی سے فیض یاب ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ ملا صفی الدین اردبیلی نے شاہزادی کے حکم سے تفسیر کبیر کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا جو "زیب التفاسیر" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے علاوہ اور دیگر رسائل بھی تقدس مآب کے نام نامی سے معنون ہوئے۔(۵) علامہ شبلی اس سلسلے میں رقمطراز ہیں۔

" تمام تاریخیں اور تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ زیب النساء نے عربی اور فارسی کی تعلیم نہایت اعلیٰ درجہ کی حاصل کی تھی اور بڑے بڑے علماء و فضلا اس کی خدمت میں رہتے تھے۔(۶)"

شہزادی کے علم و فضل کا تذکرہ کرتے ہوئے آیت اللہ زادہ یزدی حاج سید محمد رضا طباطبائی "بزم ایران" میں لکھتے ہیں۔

" زیب النساء دختر عالمگیر پادشاہ ہندوستان است و در ہندوستان کمتر زنی مانند او دارای کمالات و فضل و دانشہای گوناگون است"(۷)۔

حکیم فصیح الدین رنج میرٹھی کی رائے بھی سن لیجئے۔

عصمت میں لاثانی، ذہن میں یادگار خاقانی، فصاحت میں سحبان زمان، صنائع بدائع میں متشابہ جہاں"(۸)۔

شہزادی کی علمی لگن کا یہ عالم تھا کہ جہاں کہیں وہ سن پاتی تھی کہ کسی مصنف نے کوئی عمدہ کتاب تصنیف کی ہے فوراً اسے اپنا سرکار میں طلب کرکے کتاب اپنے کتب خانے کے لئے حاصل کر لیتی تھی۔ اس ضمن میں نادر العصر استاد احمد معمار لاہوری کے پوتے اور لطف اللہ مہندس کے بیٹے ملا امام الدین ریاضی کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیے۔

" اما بعد چنین گوید افقر عباد اللہ الغنی امام الدین الریاضی بن لطف اللہ المہندس اللاہوری ثم الدھلوی کہ در خلال ازمنہ تحصیل و آونہ اکمال و تکمیل قواعد چند کہ اساس علم البیان رفیع البیان است تحریر نمود۔ ولیکن بسبب اشتغال بعض امور ماموره نقل آن از مسودہ ببیضہ مقتضای وقت نمی نمود۔ تا فی الحال چون سن الف و مائۃ سبع ہجری مطابق سن سی جلوس امیر کبیر، بسیار بخش، کم پذیر، اورنگ زیب بہادر عالمگیر، این معنی بعرض جناب عالیمکان مآب، بادشاہزادہ، ذو القدر الرفیع، فیاض جہانیاں، ملکہ دوران، حافظہ قرآن، قرۃ العین خلیفۃ الرحمن، نواب قدسیہ القاب، زیب النساء بیگم، سلمہا اللہ تعالیٰ و ابقیٰ ظلال رافتہا علی العالمین، خصوصاً رسید۔ حکم جہان مطاع عالم مطیع شرف صدور و عز ورود بخشید کہ آن را مرتب و مہذب سازد تا بشرف مطالعہ لامعہ طبع مشرق باشراقات

از ارالی مشرف شود، فان وقع فی حیز القبول فھو المنتھی المقصود و اقصی المأمول ۔ لہٰذا سمعاً و طاعۃً باینساں ایں حکم پرداختہ، مہذب و مدوّن ساختہ، بہ "بیانیہ" موسوم نمود(۹)۔

شہزادی علوم متداولہ کے علاوہ فن خطاطی میں بھی دسترس رکھتی تھی۔ چنانچہ ساقی مستعد خان کے بقول نسخ نستعلیق اور شکستہ بڑی خوبی کے ساتھ تحریر کرتی تھی۔

زیب النساء کے اساتذہ میں ملا سعید اشرف ماژندرانی کا نام خاص طور سے نمایاں ہے۔ وہ عالمگیر کے آغاز جلوس میں ایران سے برصغیر آئے۔ بادشاہ نے انہیں زیب النساء کی تعلیم کا فریضہ تفویض کیا۔ اس وقت شہزادی کی عمر اکیس برس کی تھی۔ ملا اشرف شاعر بھی تھے۔ زیب النساء میں شعر گوئی کا ملکہ فطری تھا، ملا اشرف کی تربیت نے اسے اور بھی نکھار دیا اور شہزادی باقاعدہ طور پر شعر کہنے لگی۔ نظم و نثر میں وہ ملا صاحب ہی سے اصلاح لیتی تھی تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ تیرہ چودہ برس تک جاری رہا تا آنکہ ملا صاحب کو وطن اور عزیزان وطن کی یاد ستانے لگی۔ انہوں نے شہزادی کی خدمت میں ایک درخواست قصیدے کی صورت میں پیش کی۔ جس میں وطن کو مراجعت کی خواہش کا یوں اظہار کیا۔

یک بار از وطن نتوان برگرفت دل　　در غربتم اگرچہ فزون است اعتبار
پیش تو قرب و بعد تفاوت نمی کند　　گو خدمت حضور نباشد مرا شعار
نسبت چو باطنی است چہ دہلی چہ اصفہان　　دل پیش تست من چہ بہ کابل چہ قندھار

استاد کہن سال کی یہ درخواست شہزادی کے حضور میں پذیرا ہوئی اور وہ گرانقدر صلے اور انعام کے ساتھ عازم وطن ہوئے۔

شہزادی نے ساری عمر کتخدائی میں بسر کی۔ مورخین نے اس کے مختلف اسباب بتائے ہیں جن میں تضاد ہے۔ اس لیے کسی ایک رائے کو حتمی اور قطعی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جیسی ڈنکن ویسٹ بروک Jessie Duncan Westbrook نے دیوان آف زیب النساء کے تعارف میں لکھا ہے کہ شہزادی کی نسبت خود شاہجہان نے اس کے عمزاد اور دارا شکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ سے ٹھہرائی تھی۔ لیکن دارا سے دشمنی کے باعث اورنگ زیب شادی پر رضامند

نہ تھا۔ چنانچہ اس نے سلیمان شکوہ کو زہر دلوا دیا۔ اسے انگریزی ذہن کی اختراع کہنا چاہیئے کہ معاصر تاریخیں اس باب میں سکوت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اسی محترم خاتون نے ایرانی شہزادے مرزا فرخ کا واقعہ بھی بیان کیا ہے جو زیب النساء سے ملاقات کے لیے سنو د اسی کی دعوت پر دہلی آیا[۱۰]۔ یہ واقعہ بھی ان سنی سنائی روایات پر مبنی ہے جنہیں جیسی ڈنکن ویسٹ بروک نے "دیوان آف زیب النساء" کے ابتدائیے میں اکٹھا کر دیا ہے اور جو بہرحال ثبوت کی محتاج ہیں۔

ڈاکٹر سدارنگانی اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

"برخی برآنند کہ چوں شاہزادہ خانم بسیار زیرک واز استعداد فطری وعالی سخن سرائی بہرہ مند بود اصلاً حاضر نبود شخصی را برای ہمسری قبول کند کہ در استعداد ذہنی ہمپایہ اش نباشد۔ بنابر این عمر خود را بتحصیلِ علم وہنر و معاشرت با دانشمندان وسخن گویان گذرانید[۱۱]۔"

علامہ شبلی نے اس کی کیفیت یوں بیان کی ہے۔

"زیب النساء نے شادی نہیں کی۔ عام طور پر مشہور ہے کہ سلاطین تیموریہ لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے تھے۔ اس غلط روایت کو یورپین مصنفوں نے بہت شہرت دی ہے اور اس سے ان کو شاہی بیگمات کی بدنامی پھیلانے میں بہت مدد ملی ہے۔ لیکن یہ قصہ ہی سرے سے بے بنیاد ہے۔ خود عالمگیر کی دو بیٹیاں زبدۃ النساء بیگم اور مہر النساء بیگم سپہر شکوہ اور ایزد بخش (پسر شہزادہ مراد) سے بیاہی تھیں۔ چنانچہ مآثر عالمگیری میں دونوں شادیوں کی تاریخیں اور مختصر حالات لکھے ہیں اور خاتمہ کتاب میں بھی اس کا ذکر کیا ہے[۱۲]۔"

اس بارۂ خاص میں لوگ کچھ بھی کہیں، اس کا اصل سبب شہزادی کا علمی انہماک اور متصوفانہ مزاج ہے۔ شہزادی کی عصمت وعفت اور پاکدامنی ونیک نفسی پر تمام معاصر تاریخیں اور تذکرے گواہ ہیں۔ اورنگزیب کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے خاص نسبت ارادت تھی۔ چنانچہ وہ ان سے بیعت بھی تھا۔ متعدد شہزادے اور امراء بھی سرہندی بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے۔ زیب النساء کو بھی اس خاندان سے روحانی وابستگی تھی۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے فرزند حضرت محمد نقش بند ثانیؒ کے متعدد مکتوبات اس کے نام پائے جاتے ہیں[۱۳]۔ جن میں انہوں نے اسے "بادشاہ زادہ پردہ نشین سرادقات عصمت وعفت و

عظمت ابہت" اور "فاطمۂ زمان" کے القاب سے یاد کیا ہے۔ یہ شاہی دباؤ نہیں، امر واقعہ ہے، ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ خاندان سرہند کے بزرگ کبھی شاہانہ جاہ و جلال کے سامنے نہیں جھکے۔ اس تحریر کے مقابلے میں وہ بے سروپا روایات کوئی حقیقت نہیں رکھتیں، جن میں زیب النساء اور عاقل خان کے معاشقوں کی تفصیلات بڑے مزے لے کر بیان ہوئی ہیں اور جن میں ناصر علی سرہندی کو بھی شہزادی کے عشاق کی فہرست میں شامل کر لیا گیا ہے۔ لیکن ان تمام روایات پر تکیہ کرنے والوں نے دانستہ یا نادانستہ اس امر کو فراموش کر دیا کہ وہ اورنگ زیب کی بیٹی تھی جس کی سخت گیری تاریخ میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ یہ روایات بذات خود ایک دوسرے کی نفی کر رہی ہیں۔ مثال کے طور پر عاقل خان کے دیگ میں جلائے جانے کا واقعہ سنیئے جسے جیسی ڈنکن ویلیٹ بڈوک نے بڑے شدومد سے بیان کیا ہے۔

عاقل خان خفیہ طور پر زیب النساء سے ملنے دہلی آیا۔ باغ میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اورنگ زیب کو پتہ چلا تو وہ فوراً وہاں آ پہنچا۔ مشکل یہ تھی کہ عاقل خان کو کہاں چھپایا جائے۔ بالآخر وہیں قریب پڑی ہوئی دیگ میں وہ چھپ گیا۔ بادشاہ کے دریافت کرنے پر شہزادی نے بتایا کہ دیگ میں گرم کرنے کو پانی رکھا ہوا ہے جس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ دیگ چولہے پر چڑھا دی جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ زیب النساء کو اپنے عاشق سے زیادہ اپنی آبرو کا خیال تھا۔ چنانچہ وہ دیگ کے قریب آئی اور سرگوشی میں کہا کہ اگر تم میرے عاشق صادق ہو تو لب بستہ رہو۔ دیکھنا میری عزت و آبرو پہ حرف نہ آنے پائے!! بیچارہ عاقل خان اس کی عزت کی خاطر دیگ میں جل بھن گیا۔

اسی سے ملتا جلتا واقعہ ڈاکٹر برنیئر کی زبانی سنیئے۔ وہ شاہجہان کی بیٹی جہاں آرا بیگم کے معاشقوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"کہتے ہیں کہ بیگم صاحبہ اگرچہ محل سرا میں حسب معمول محصور رہتی تھی اور محل کی اور مستورات کی طرح اس کی نگہبانی بھی ہوتی تھی۔ مگر مخفی طور سے اس کے پاس ایک نوجوان شخص کی آمدورفت ہو گئی جو اگرچہ کوئی خاندانی آدمی نہ تھا مگر حسین بہت تھا۔ لیکن ظاہر ہے اس بات کا سہیلیوں اور محافظوں سے مخفی رہنا ممکن نہ تھا۔ اور جب کہ عورتیں بیگم صاحبہ کے رشک و حسد سے پہلے ہی جل رہی تھیں تو محل کی اکثر خواصوں پہ اس بھید کا کھلنا لازمی تھا۔ الغرض شاہجہان بھی بیگم صاحبہ کی خطا و لغزش سے واقف ہو گیا اور حقیقت حال معلوم کرنے کے خیال سے ناگہاں محل میں چلا گیا۔

چونکہ بادشاہ کے آنے کی خبر بیگم صاحبہ کو جلدی نہ مل سکی کہ وہ اس شخص کو کسی مناسب جگہ چھپا دیتی اس لئے مجبوراً اسے اپنے خوف زدہ جوان عاشق کو حمام کی ایک بڑی دیگ میں چھپانا پڑا۔ اس واردات پر بادشاہ کے چہرے سے نہ تو کچھ تعجب ہی کے آثار ظاہر ہوئے اور نہ کچھ غصہ اور ناخوشی ہی معلوم ہوئی بلکہ بیٹی سے معمولی باتیں کرتا رہا۔ لیکن کس قدر بات چیت کے بعد کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے آج حسب معمول غسل نہیں کیا۔ حمام کرنا چاہیئے اور خواجہ سراؤں کو حکم دیا کہ دیگ کے نیچے آگ جلائیں اور جب تک کہ انہوں نے اسے یہ یقین نہ دلا دیا کہ وہ قسمت کا مارا جل کر خاک ہو گیا ہے وہاں سے نہ ہلا۔(۱۵)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعے کو کس سے منسوب کیا جائے، پھوپھی سے یا بھتیجی سے؟ آیا یہ اورنگ زیب کے عہد کا واقعہ ہے یا شاہجہان کے دور کا؟ داستان سرائی برنیئر نے بھی کی ہے اور جیسی نے بھی۔ مگر حقیقت کہاں تلاش کی جائے؟ مآثر الامرا اور مآثر عالمگیری وغیرہ میں اس دور کے امرا میں صرف ایک عاقل خان کا ذکر ہوا ہے جو اورنگزیب کا شہزادگی کے زمانے سے مصاحب تھا۔ جس کا اصل نام میر عسکری تھا اور جو سادات خواف (خراسان) سے نسبی تعلق رکھتا تھا۔ عالمگیر نے اس کے حسن کارکردگی سے خوش ہو کر اسے عاقل خان کا خطاب دیا تھا۔ وہ شیخ برہان الدین راز الٰہی کا مرید تھا اور اسی نسبت سے رازی تخلص کرتا تھا۔ فارسی نثر اور نظم میں متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں جن میں "واقعات عالمگیری" (نثر) اور دو مثنویاں "مہر و ماہ" اور "شمع و پروانہ" بڑی شہرت رکھتی ہیں۔ غزلوں کا ایک دیوان بھی مرتب کیا۔ تذکروں میں اس کے اشعار اکثر مل جاتے ہیں۔ اس کا ایک شعر بہت مشہور ہے زین آبادی اور اورنگ زیب کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد نے غبار خاطر میں بھی نقل کیا ہے۔

عشق چہ آسان نمود آہ چہ دشوار بود ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت

۱۰۹۱ھ میں اسے دلی کی صوبیداری تفویض ہوئی۔ آخر عمر میں بادشاہ کے حضور میں ترک منصب کی درخواست گذاری جسے منظور کر لیا گیا۔ خود اورنگ زیب کی تحریر میں اس کا ذکر ان الفاظ میں ہوا ہے۔

"جواب عرضی عاقل خان صوبہ دار دہلی کہ درباب ترک منصب نوشتہ صادر شدہ۔ حقوق خدمت ہای سابق مدنظر داشتہ ہرگاہ گوشۂ خاطر خود را کہ معدن لطف و مخزن عنایت است بآن فدوی بردہ باشم۔ کلام گوشہ بہ

ازیں خدمت خواہند یافت۔ باوجود ایں عنایت و لطف بے اندازہ اگر بر ترک و گوشہ نشینی راضی اند، التماس آن قدیم الخدمت قبول خواہم کرد و دوازدہ ہزار روپیہ سالیانہ مقرر خواہد شد۔"[۱۶]

اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ عالمگیر کی نگاہوں میں عاقل خان کس قدر و منزلت کا مالک تھا! عاقل خان نے ۱۱۰۰ھ میں دہلی میں وفات پائی۔ تمام معاصرین نے اس کے اخلاق و خصائل کی تعریف کی ہے۔ صاحب مآثرالامرا کے بقول وہ نہایت مخیر اور کریم الصفات تھا۔[۱۷] ساقی مستعد خان نے اس کی وفات کے ذیل میں لکھا ہے کہ وہ صاحب خیر و توفیق نیز پسندیدہ خصائل کا مجموعہ تھا۔[۱۸]

اگر جیسی ڈنکن ویسٹ بروک کی مراد اسی عاقل خان سے ہے تو زیب النساء سے اس کا معاشقہ محض افسانہ طرازی ہے۔ اور اس کے دیگ میں جلائے جانے کا واقعہ تاریخ کا ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔ جسے سچا ثابت کرنے کی کوئی بھی کوشش بارآور نہیں ہو سکتی۔ اسی سلسلے میں "جیسی" کے بیان کئے ہوئے دوسرے واقعات پر بھی ایک نظر ڈالئے۔

لاہور میں عاقل خان اور زیب النساء ایک دوسرے سے ملتے رہے۔ تاآنکہ اورنگ زیب کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ وہ اس وقت دہلی میں تھا۔ یہ سنتے ہی لاہور پہنچا۔ وہ جلد جلد اس کی شادی کرا کے معاملہ رفع دفع کرنا چاہتا تھا۔ زیب النساء نے انتخاب کی اجازت چاہی اور اس مقصد کے لئے مختلف لوگوں کی تصاویر منگوائی گئیں۔ اس نے عاقل خان کے حق میں رائے کا اظہار کر دیا۔ اورنگ زیب نے اسے بلاوا بھیجا۔ لیکن عاقل خان کے رقیبوں میں سے کسی دل جلے اور مایوس شخص نے اسے لکھا کہ "بادشاہ کی بیٹی کا عاشق ہونا کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ اورنگ زیب تمہارے کرتوتوں سے واقف ہے۔ جونہی تم دہلی پہنچو گے تمہیں یہ محبت بڑی مہنگی پڑے گی"۔ عاقل خان نے سوچا کہ بادشاہ انتقام لینے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ مگر افسوس کہ زیب النساء کا عاشق بزدل ثابت ہوا۔ اس نے شادی سے انکار کر دیا اور ملازمت سے مستعفی ہو گیا۔ یہ سن کر زیب النساء بڑی مایوس ہوئی اور اس کے سینے میں عاقل خان کے خلاف نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اسی عالم میں اس نے کہا۔

شنیدم ترک خدمت کرد عاقل خان بہ نادانی

عاقل خان نے اس کے جواب میں کہا۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

لیکن وہ خفیہ طور پہ دہلی آیا تاکہ زیب النساء سے ملاقات کر سکے اور پھر دیگ میں جلنے کا واقعہ ظہور میں آیا۔
اب سلسلہ وار واقعات پر نظر ڈالئے۔

(۱) عاقل خان آخر عمر میں ملازمت سے مستعفی ضرور ہوا تھا لیکن وہ اس وقت دہلی کا صوبے دار تھا لاہور کا نہیں۔

(۲) وہ طبعی موت مرا تھا، دیگ میں جل کر نہیں۔

(۳) عالمگیر اس کی اس حد تک قدر و منزلت کرتا تھا کہ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد بھی بادشاہ کی طرف سے اسے بارہ ہزار روپے سالانہ پنشن ملتی رہی۔

(۴) موت کے وقت وہ انتہائی بوڑھا ہو چکا تھا اور عمر کی اس منزل پہ تھا جہاں صرف یاد خدا ہی انسان کا سب سے بڑا سہارا ہو سکتی ہے۔

(۵) مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس کی وفات ۱۱۰۰ھ میں ہوئی۔ زیب النساء کی ولادت کا سال ۱۰۴۸ھ ہے۔ اس اعتبار سے عاقل خان کی وفات کے وقت اس کی عمر اسّی برس ہوتی ہے۔ اگر عاقل خان دیگ میں جلایا گیا ہے تو یہ واقعہ ۱۱۰۰ھ کا ہو سکتا ہے۔ کیا اسّی برس کی عمر میں شہزادی شادی کا تصور کر سکتی ہے اور اس طرح جس طرح جیسی نے بیان کیا ہے؟

(۶) تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عاقل خان شہزادگی کے زمانے سے عالمگیر کا مصاحب تھا۔ اس اعتبار سے وہ قریب قریب بادشاہ کا ہم عمر تھا۔ زیب النساء کے ساتھ اس کے معاشقے کا خیال کسی فاسد ذہن ہی میں آ سکتا ہے۔

اب ذرا وہ واقعات بھی دیکھتے جائیے جو بعض دوسرے لکھنے والوں نے اپنی تحریروں میں دہرائے ہیں اور جن کے درجہ استناد پہ خود انہیں بھی شک ہے۔ "زنان سخنور"[۱۹] کے فاضل مولفین نے مختلف تذکروں سے ایسے واقعات نقل کئے ہیں اور شاید انہی کی پیروی میں ڈاکٹر سدا رنگانی نے بھی اپنے مقالے میں انہیں جگہ دینا ضروری سمجھا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ رائے بھی ظاہر کی ہے۔

"یکصدہ داستان و قصہ دربارہ مخفی وجود دارد کہ اغلب آن ھا محقق و موثق بنظر نمی آید از جملہ افسانہ ھا کہ پیرامون معاشقۂ وی با عاقل خان رازی مشہور است"۔[۲۰]

جناب حسنین کاظمی نے بھی اپنے فارسی مقالہ میں ان واقعات کی تفصیل بتاتے ہوئے لکھا ہے۔

"اینگونہ داستان ہای پوچ مہمل و دور از حق و حقیقت ساختہ و پرداختہ دشمنان آن خانوادہ می باشند کہ می خواستند ازین راہ انتقام خود را گرفتہ باشند"۔[۲۱]

ان قصوں سے عاقل خان کے کردار پر بھی حرف آرہا ہے۔ مثلاً عاقل خان نے زیب النساء سے اشعار کی صورت میں اپنی دلی خواہش کا یوں اظہار کیا ہے۔

بلبل رویت شوم گر در چمن بینم ترا میشوم پروانہ گر در انجمن بینم ترا
خود نمائی می کنی اے شمع محفل خوب نیست من ہمی خواہم کہ در یک پیرہن بینم ترا

اس کے جواب میں شہزادی نے اسے لکھ بھیجا۔

بلبل از گل بگذرد چون در چمن بیند مرا بت پرستی کی کند گر برہمن بیند مرا
در سخن مخفی شدم مانند بو در برگ گل ہر کہ دارد میل دیدن در سخن بیند مرا

لطف یہ کہ یہ واقعہ شہزادہ فرخ سے بھی منسوب ہے اور "جیسی" نے راز و نیاز کی اس خیالی داستان کا ایک ہیرو مشہور شاعر ناصر علی سرہندی کو بھی بنا دیا ہے۔ عجیب تر یہ کہ زیب النساء سے منسوب یہ دو شعر قطعات و رباعیات کے ذیل میں "دیوان مخفی" میں بھی آگئے ہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ شعر نہ زیب النساء کے ہیں نہ مخفی کے۔ ان کا مصنف شاہجہانی عہد کا معروف طبیب اور شاعر "حکیم حاذق" تھا جو مشہور اکبری نورتن حکیم ہمام کا بیٹا تھا۔ پہلا شعر منشی محمد دین فوق نے "مزارات الشعراء"[۲۲ الف] میں نقل کیا ہے۔ ان کے ہاں شعر نمبر ا کی یہ صورت ہے۔

[۲۳]
بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

دوسرا شعر محمد صالح کنبوہ نے اپنی شہرہ آفاق تاریخ "عمل صالح" میں حکیم حاذق کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے انتخاب کلام کے ذیل میں درج کیا ہے۔ "عمل صالح" میں یہ شعر یوں آیا ہے۔

در سخن پنہاں شدم مانند بو در برگِ گل ۔۔۔۔ میل دیدن ہر کہ دارد در سخن بیند مرا (۲۴)

ان شواہد کی روشنی میں وہ بہت سے واقعات جو ان دو شعروں کے حوالے سے "زیب النساء" کی "داستانِ عشق" کو اجاگر کرنے کے لئے مختلف لوگوں نے بیان (یا اختراع) کئے ہیں، قطعاً بے حقیقت ثابت ہوتے ہیں۔ انہی میں معلوم شد کہ زن است والا افسانہ بھی شامل ہے۔ مزے کی بات یہ ہے یہاں وہ احتیاط بھی ملحوظ نہیں رکھی گئی جس کا پرانے وقتوں میں ارباب ذوق ہمیشہ خیال کیا کرتے تھے یعنی مختلف اصناف سخن کا باہمی امتیاز۔ یہ دو شعر غزل کے ہیں مگر انہیں دیوان مخفی میں رباعیات و قطعات کے ذیل میں درج کیا گیا ہے۔ "زیب النساء" پر لکھنے والوں نے بھی انہیں رباعی قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ رباعی کے مخصوص وزن میں تو کجا سرے سے بحر ہزج میں بھی نہیں۔ (۲۵)

ع۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اسی طرح عاقل خان کی طرف سے بھیجا ہوا معما

آں چیز کدام ست.......... اور زیب النساء کا جواب

آں چیز عماں است ...... کوئی اصلیت نہیں رکھتا۔ جو شخص مغلوں کے دور کے آداب کا تھوڑا بہت علم بھی رکھتا ہے اس کی نظر میں اس طرح کے واقعات محض جھوٹ کا پلندہ ہیں۔

اسی نوع کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک بار زیب النساء نے ناصر علی سرہندی کو ایک مصرع لکھ بھیجا کہ اس پہ گرہ لگائے۔ ناصر علی نے اس پہ گرہ لگائی جس میں ابتذال تھا۔ زیب النساء سن کر سخت برہم ہوئی اور جواب میں یہ شعر کہا۔

"ناصر علی بنام علی بردہ ای پناہ ۔۔۔۔ ورنہ بہ ذوالفقار علی سر بہ ید مست

اس کی حقیقت یوں بھی کھل جاتی ہے کہ یار لوگوں نے یہ واقعہ کلیم کاشی ملک الشعرائے شاہجہانی سے بھی منسوب کیا ہے اور "زنانِ سخنور" کے مولفین نے اس پہ یہ حاشیہ بھی چڑھایا ہے کہ یہی واقعہ کلیم کاشی کے برصغیر سے نکل جانے کا سبب بن گیا۔ (۲۶)

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے ؟

بات صرف اتنی ہے کہ زیب النساء بلا کی ذہین، نکتہ سنج اور بدیہہ گو تھی۔ اس کی انہی طبعی خصوصیات کو لے کر لوگ افسانے پہ افسانہ تراشتے چلے گئے۔ قصے کی دلچسپی تو اس سے ضرور بڑھی مگر تاریخ مسخ ہو گئی۔ رہا مغربی ذہن تو اس

نے اکثر انہی قصوں کو تاریخ کا رنگ دے کر پیش کیا ہے، کہ استعماری عزائم کی تکمیل کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے۔

زیب النساء کو آخر عمر میں قید و بند کی صعوبتیں سہنا پڑیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شہزادہ اکبر جسے راجپوتانے کی مہم پر بھیجا گیا تھا بعض لوگوں کے بہکاوے میں آ کر باغی ہو گیا۔ زیب النساء اور اکبر ایک ہی ماں کے بطن سے تھے اور دونوں بہن بھائیوں میں بڑی محبت تھی۔ باوجود بغاوت کے اکبر اور زیب النساء میں مراسلت جاری رہی جیسا کہ ساقی مستعد خان نے لکھا ہے۔ شہزادہ اکبر کے نام زیب النساء کے خطوط پکڑے گئے جس کے نتیجے میں اس پر عتاب شاہی نازل ہوا۔ مال و اسباب کے علاوہ چار لاکھ روپے سالانہ کا وظیفہ بھی بند ہو گیا۔ اور شہزادی کو قلعہ سلیم گڑھ میں قید کر دیا گیا۔[۲۷] لیکن جلد ہی اس کی بے گناہی ثابت ہو گئی اور عفو قصور کر دیا گیا[۲۸]۔ "مغل رول ان انڈیا" کے مصنفین ایس۔ ایم ایڈورڈز (S.M. Edwardes) اور ایچ۔ ایل۔ او۔ گیرٹ (H.L.O. Garettee) کا یہ خیال درست نہیں کہ صرف موت ہی اس قید سے اس کی نجات کا باعث بنی۔[۲۹] واقعہ اسیری ۱۰۹۱ھ میں پیش آیا جب کہ ۱۰۹۴ھ میں زیب النساء بادشاہ کی ملاقات کے لئے دکن میں حاضر ہوئی۔ شہزادہ محمد کام بخش، سیادت خان اور کامگار خان نے شہزادی کا استقبال کیا۔[۳۰]

زیب النساء کا انتقال ۱۱۱۳ھ (مطابق ۴۶ جلوس عالمگیری) میں دہلی میں ہوا۔ اورنگ زیب اس وقت دکن میں تھا۔ یہ خبر جب اس تک پہنچی تو بقول ساقی مستعد خان دختر نیک اختر کی دائمی مفارقت کے صدمے سے قلب مبارک پر اندوہ والم کے بادل چھا گئے اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوئے۔ لیکن حضرت نے صبر فرمایا اور سید امجد خان، شیخ عطاء اللہ اور حافظ خان کے نام خیرات و صدقات جاری کرنے اور مرحومہ کا روضہ تعمیر کرانے کے احکام جاری فرمائے۔ ملکہ مرحومہ صاحبۃ الزمانی کے باغ سی ہزاری میں پیوند خاک کی گئیں۔[۳۱]

جیسی ڈنکن ویسٹ بروک نے "دیوان آف زیب النساء" کے تعارف میں لکھا ہے کہ شہزادی کی وفات ۱۶۸۹ء میں واقع ہوئی اور وہ اپنی ہی وصیت کے مطابق لاہور کے قریب نواں کوٹ میں مدفون ہوئی۔ اسے بھی ان چند در چند اغلاط میں تصور کیجئے جو اس باب میں جیسی سے سرزد ہوئیں۔ صاحب مآثر عالمگیری کا بیان آپ کی نظر سے گذر چکا اس نے شہزادی کا انتقال ۱۱۱۳ھ میں بتایا ہے جو سن عیسوی کے اعتبار سے ۱۷۰۲ء سے مطابقت رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شہزادی کا انتقال دلی میں ہوا اور اسے وہیں باغ سی ہزاری میں سپرد خاک کیا گیا۔ لیکن جیسی اسے نواں کوٹ میں مدفون بتاتی ہے۔

برطانوی دورِ اقتدار میں زیب النساء کا مقبرہ گرا دیا گیا اور وہاں سے راجپوتانے کو ریلوے لائن گزاری گئی۔(۳۲)

زیب النساء اور دیوانِ مخفی

اب رہا یہ مسئلہ کہ زیب النساء نے شعر و سخن کے میدان میں کیا کارنامے انجام دیئے۔ اس میں کسی کو کلام نہیں کہ وہ شاعرہ تھی لیکن اس کا تخلص کیا تھا نیز جو مجموعہ دیوانِ مخفی کے نام سے متداول و مروج ہے آیا وہ اسی کا ہے؟ اس سلسلے میں تحقیق و تفتیش نے بہت سے عقدے وا کر دیئے ہیں۔ معاصر تاریخوں میں زیب النساء کے علمی معمولات اور ادبی مشاغل پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن کہیں بھی اس امر کا سراغ نہیں ملتا کہ وہ مخفی تخلص کرتی تھی۔ بعد کے تذکرہ نگاروں نے اس کے نام کے ساتھ مخفی کا اضافہ کر دیا اور یار لوگ اسے لے اُڑے اور اتنی شہرت دی کہ اس کے نام کے ساتھ اس تخلص کا لکھنا گویا لازمی ہو گیا۔ یہاں علامہ شبلی کی رائے ملاحظہ فرمایئے:

"عام طور پر مشہور ہے کہ وہ مخفی تخلص کرتی تھی اور دیوانِ مخفی جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اسی کا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں، کسی تاریخ یا تذکرہ میں اس کے تخلص یا دیوان کا تذکرہ نہیں"۔(۳۳)

یہ تو تھی تخلص کی بات، رہا دیوان تو اس کے بارے میں علامہ شبلی کے مذکورہ بالا بیان کے ساتھ درج ذیل اقتباس بھی قابلِ غور ہے۔

"اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ شاعرہ تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کلام ضائع ہو گیا"۔(۳۴)

احمد علی سندیلوی نے اپنے مشہور تذکرے "مخزن الغرائب" میں زیب النساء کے ضمن میں لکھا ہے۔

"اما دیوان اشعارش بنظر نیامدہ، مگر در تذکرہ انتخابش بہ نظر آمدہ لیکن اعتبار را نشاید۔ بسبب آنکہ اکثر شعر اساتذہ صاحب آن تذکرہ بنام بیگم نوشتہ بود"۔(۳۵)

جو دیوان اس کے نام سے شائع اور رائج ہوتا رہا ہے، اس کی حقیقت سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی زبان سے سنیئے:

"زیب النساء کے عشق و محبت کی طرح اس کا دیوان بھی محض افسانہ بن کر رہ گیا ہے۔ زیب النساء کا ایک مجموعہ کلام "دیوانِ مخفی" کے نام سے مختلف مطابع سے چھپ کر بازار میں فروخت ہوتا رہا ہے، مگر اربابِ نظر ان متداول

لسنوں پر اپنے خیالات ظاہر کر کے بتا چکے ہیں کہ دیوان کی اندرونی شہادت کی بنا پر اس کو کسی طرح زیب النساء کا دیوان نہیں کہا جا سکتا ہے۔ پروفیسر محفوظ الحق (پریذیڈنسی کالج کلکتہ) نے معارف نمبرہ جلد نمبر ۱۸ میں یہ بتایا ہے کہ دیوان مخفی دراصل مخفی رشتی کا دیوان ہے جس کا وطن با مسطرغ تھا۔ وہ شاہجہان کے عہد میں خراسان سے ہندوستان طلب منفعت کے لئے آیا۔ مگر یہاں کی ہوا راس نہیں آئی اور دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے قید کر دیا گیا۔ چونکہ شاہی دربار میں اس کی رسائی نہ ہو سکی اس لئے اس کا کلام اوروں کی طرح مشہور نہ ہو سکا اور ایک حد تک مخفی مگر محفوظ رہا۔ اس کا دیوان بعض غیر محقق مصنفوں کے ہاتھ لگا اور انہوں نے دیکھے اور سمجھے بغیر محض مخفی کی رعایت کی بنا پر بیگم کی جانب منسوب کر دیا۔"(۳۶)

پروفیسر محفوظ الحق کا مقالہ مجھے نہیں ملا۔ البتہ دیوانِ مخفی کے مطالعے کے بعد میں کچھ ایسے داخلی شواہد بہم پہنچا سکا ہوں جن کی بنا پر موجودہ دیوان کو بتمامہ زیب النساء کی تصنیف نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ایک آدھ غزل یا قطعہ ضرور ایسا ہے جس کے بارے میں قیاس آرائی کی گنجائش ہے۔ لیکن باقی ماندہ کلام خراسانی شاعر مخفی رشتی ہی کا ہے۔ قصائد میں تو کھل کر اس نے اپنے خراسانی ہونے کا اظہار کیا ہے۔ غزلیات بھی ایسے اشارات سے خالی نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر میں وہ غریب الوطن تھا اور یہاں اس نے بڑے رنج اٹھائے۔ مخالفین کی ریشہ دوانیوں اور قید و بند کے مصائب کا ذکر وہ اکثر کرتا ہے اور چونکہ وہ اس خیال سے برصغیر آیا تھا کہ یہاں اس کے کمال فن کی قدر ہوگی اس لئے جب نتائج برعکس نکلے تو اسے سخت مایوسی ہوئی۔ قدسی اور کلیم کے ساتھ تو اسے دربار میں کیا جگہ ملتی اُلٹا بقول خود "جرم بیگناہی" میں قید کر دیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بقیہ زندگی نہایت بے سروسامانی اور احتیاج و افلاس میں بسر ہوئی۔

یوں تو اس کی ہر غزل اس کے احوال کی شاہد عادل ہے لیکن ذیل کے اشعار میں صورت حال قدرے زیادہ واضح ہے۔

شب ز آہم خرمن انجم ہمہ بر باد رفت	ہر چہ بُد در خاطرِ گردوں ہمہ از یاد رفت
رنگ ظلمت بس گرفت آئینۂ عدل جہاں	روشنی در رنگ ظلمت از دلِ فولاد رفت
می کشد آخر فلک از ہر کہ باشد انتقام	دید خسرو عاقبت زاں آنچہ بر فرہاد رفت

از گل این بوستان چشم وفاداری مدار | کاندرین گلشن بسی بر بلبلان بیداد رفت
رفت مخفی گر زدستم نیم نانی باک نیست | چون بهشت جاودانی از کف شداد رفت

بسکه الفت گریه را با چشم خونبار من است | ریختن بر خاک ره خون جگر کار من است
باوجود آنکه آزارم ز سر تا پا هنوز | گردش گردون دون در فکر آزار من است
نیست در بازار راحت گرچه یک جو قیمتم | شکر لله نعمت عالم خریدار من است
فتنهٔ هر جا بر آرد سر ز غوش فلک | جستجویم دارد و در فکر آزار من است
مخفیا زنهار خود بینی و خود رای مکن | کین پریشانی من بر من زپندار من است

اہل نظر اندازہ کر سکتے ہیں کہ مخفی کا سوز نہاں کیونکر اس کے لہجے میں جھلک رہا ہے۔ اب "شکوۂ ہند" کے چند نمونے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ پہلا یہ غزل کا ہے۔

نادان اگر نبودی در ملک ہند مخفی | اجزای عمر خود را شیرازہ گم نمی کرد

آفرین بر جگرم باد کہ در کشور ہند | سکۂ نقد سخن رائج ایران زدہ ام

جستجو بے حاصل است مخفی برایں گرداب ہند | گوہر مقصود را جای دگر گم کردہ ام

دیدہ ام ظلم و ستم چند آنکہ از ظلمات ہند | میروم کز بہر خود جای دگر پیدا کنم

غنچہ طبعم نمی خندد بشورستان ہند | ہمتی یاران کہ از گلزار کابل بشکند

وانشد چوں غنچۂ دل در بہارستان ہند   رفت مرغ روح مخفی گوشۂ کابل گرفت

آخری دو شعروں کے مصرعہ ہای ثانی پر تحقیقی نظر شاید مخفی کی زندگی کے کسی اور مخفی گوشے سے پردہ ہٹادے کہیں کہیں غربت کا احساس بڑی شدت کے ساتھ اس کے ہاں اظہار پاتا ہے ۔

مخفیا چند بدل حسرتِ دیدار وطن   عنقریب است کہ در خاک فنایت وطن است

بریدم از وطن الفت بغربت زان گرفتم خو   کہ تنہائی غربت با خیالت آشنا باشد

بناکامی بغربت رو نہادم تا چہ پیش آید   عنانِ دل بدست ہجر دادم تا چہ پیش آید

مخفی امیدِ رہائی تا بروزِ حشر نیست   خاک غربت ہر کرا در مہد دامنگیر شد

ز ناسازئی بخت آخر نہادم روی در غربت   دلِ پر دردِ ہجراں یادگاری از وطن بردم

وہ اپنی داستان غربت سناتے ہوئے حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ کے قصے سے متعلق تلمیحات کا بھی اکثر و بیشتر استعمال کرتا ہے۔ دیدۂ یعقوبؑ، بوئے پیرہن اور بادِ صبا سے وابستہ جملہ واقعات اسے اپنے حال کے مناسب و مطابق نظر آتے ہیں۔ اس سے اس کا مقصود یہی ظاہر کرنا ہے کہ بے وطن ہو کر وہ روح فرسا مصائب و آلام سے دوچار ہوئی عزیزانِ وطن اور خویش و اقارب کی یاد اس کے دل سے ایک لحظہ بھی محو نہیں ہوئی۔ چند شعر دیکھیے۔

تمام عمر بکنعانم از جدائی رفت   ز سوئی مصر نسیم صبا نمی آید

بوئی یوسف کرد بینا دیدہ یعقوبؑ را   ور نہ با بادِ صبا چشم کسی بینا نہ شد

خدم یعقوبؑ ہجران دنیا مدبوئی پیراہن   پسر رانیست آں مہری کہ دیغا طربہ دارد

محفیا چند زجور فلک شعبدہ باز   ہمچو یعقوبؑ بدل داغ پسر تازہ کنم

چوگم شد یوسفؑ عہد تو مخفی   وطن درگوشۂ بیت الحزن کن

پیر کنعانم زگریہ چشم ترگم کردہ ایم   روشنی چشم از ہر پسر گم کردہ ایم

اس انتخاب کے تیسرے، چوتھے اور چھٹے شعر سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ صاحب اولاد تھا[۲۷] اور بیٹے کی جدائی کا غم اس کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا تھا۔ اس نوع کے اشعار کو زیب النساء سے نسبت دینا کتنی مضحکہ خیز صورت حال کا موجب ہو سکتا ہے جبکہ وہ عمر بھر ناکتخدا رہی۔ یہاں حضرت یعقوبؑ کی تلمیح سے بالعموم اور آخری شعر سے بالخصوص یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ بینائی سے بھی محروم ہو گیا تھا۔ درج ذیل اشعار سے بھی اس کا کچھ کچھ ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

رفتی بہ پیش دیدہ و من بیخبر ہنوز   دارم خیال روی ترا در نظر ہنوز
باآنکہ چشم من ز تمنا سفید شد   دارم دو دیدہ بر رہ باد سحر ہنوز
نقود روشنئ دیدہ صرف دل کردم   ہنوز بر سرم آن بی وفا نمی آید

بعض غزلوں میں خراسان کا ذکر کھل کر کیا ہے۔ یاد وطن کے تاثر میں ڈوبی ہوئی ایک غزل دیکھیے۔

باز امروز دلم سوی خراسان رفتہ است   رشتۂ کفر بریدہ است و بہ ایمان رفتہ است
نالہ بر دردِ دلم محرم و بیگانہ کنند   گر بگویم کہ چہ بیداد ز ہجران رفتہ است
رشک بستان وارم گشت مرا دامن و جیب   بسکہ خون جگر از دیدہ بداماں رفتہ است
نور بیدا نہ کند چشم تمنا ز نسیم   بوئی پیراہن یوسف سوی کنعان رفتہ است

برجفای کہ بمن کرد فلک مخفی نیست — چاک باقی ست مرا گرچہ گریبان رفت است

ہندوستان اور خراسان کی رعایت سے مطلع کے دوسرے مصرعے میں کفر وایمان کے ذکر اور مقطع میں تخلص کے استعمال کی داد دی جا سکتی ہے۔

ایک مقام پر اپنی زبوں حالی کا ذکر کرتے ہوئے وہ شاہ خراسان یعنی حضرت امام زادہ علی رضا سے یوں استمداد کرتا ہے۔

چہ کنم بخت زبون چرخ جفا پیشۂ من — از ضعیفی نتوانم رہ عقبیٰ گیرم
آبرو ریختہ ام بس ز مذلت بر خاک — خواہ آتش شوم و در ہمہ اعضا گیرم
بیش ازیں نیست مرا طاقت دوری ز درت — ہمتی دہ کہ بہ اہت سر سودا گیرم
از گدایانِ توام شاہ خراسان مددے — کہ چو مرغان حرم در حرمت جا گیرم
نیست مخفی چو مرا قدرتِ گفتار بصبر — پا بدامان کشم و دامن مولا گیرم

یہ تو تھی غزل کی بات جس کے اشارے اتنے عمومی بھی نہیں ہوتے کہ ان سے شاعر اور اس کے ماحول کے بارے میں کچھ بھی اخذ نہ کیا جا سکے۔ اب آئیے مخفی کے قصائد اور دیگر اصناف پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں۔

ایک قصیدے سے مخفی کے عہد کا تعین ہوتا ہے۔ یہ صاحبقران ثانی شاہجہان کا دور تھا کہ وہ برصغیر آیا۔ یہ اشعار اس کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

بر در سلطانِ عصر حیف ندارم دگر — تا کہ رساند بعرض مقصد ارکان او
ثانی صاحبقران بادشۂ انس و جان — آنکہ فلک سر نہد بر خط فرمان او
بر رہ اقلیم او حادثہ را راہ نیست — لطفِ خداوند آن ہست نگہبان او
قوت بازوی ظلم رفتہ بملک عدم — یافتہ عمر ابد عدل بدوران او
زہرۂ شیر فلک آب شود در ہراس — تیز کند گر نگہ جانب ایران او
فتح ز اقبال آن بر سر ہر کس رود — پیکر نصرت زند دست بدامان او

لیکن بہر حال اسے دربار شاہی میں رسائی حاصل نہ ہو سکی۔ شاید بعض ارکان دولت اس کے

رستے میں حائل تھے۔ اور اس کے بعد قید و بند کا سلسلہ شروع ہوا۔ اپنے مصائب کے تذکرے کے ساتھ ایک قصیدے میں وہ شاہجہانی امیر خانِ دوراں سے یوں مخاطب ہوتا ہے۔

سپہر منزلتان صاحبانِ داد آور — فلکوہ دولت فیروز خان دورانی

نمودی لطف بتقصیر من تلم درکش — کہ با تو ہست مرا نسبتِ خراسانی

نوید وعدۂ عدلِ تو دارم دم زندہ — وگرنہ نیست مرا قدرت سخندانی

"کہ با تو ہست مرا نسبتِ خراسانی" یہ مصرعہ مخفی کی اصلیت کو بر انگندہ نقاب کر رہا ہے۔

اسی طرح ایک قصیدے کا یہ شعر بھی اعتنا کے لائق ہے۔

وجودِ بی وجود من بمن ہمارہ در جنگ است — کہ مشتِ استخوانش را برم سوی خراسانش

ایک مقام پر تو اس نے یہ وضاحت بھی کردی ہے۔

تو از ملک خراسانی باصطرغ از وطن داری — بخواب شب اگر درد و غم ہندوستان بینی

گویا وہ خراسان کے شہر باصطرغ کا رہنے والا تھا۔ چلتے چلتے ذیل کے انتخاب پر بھی غور کرتے جائیے۔

دل آشفتۂ مخفی بفن خود ارسطو یست — بہند افتادہ است اما خراسان است یونانش

درین کشور ز بد بیہای طالع ناقصم دارد — وگرنہ در ہنرمندی نباشد ہیچ نقصانش

ایک ترکیب بند کے یہ شعر بھی لائق توجہ ہیں۔

بو صلی روزگارم از خراسان آمدہ — از پئی اغراض در درگاہ سلطان آمدہ

بسکہ در یاد وطن نادیدہ ماتم داشتم — تا بدامان دلم چاک گریبان آمدہ

حیرتی دارم کہ یارب چون درین ظلمات ہند — طوطی فکر پئی شکر ز رضوان آمدہ

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ

(ا) دیوان مخفی زیب النسار کی تصنیف نہیں۔

(ب) یہ مخفی خراسانی کا دیوان ہے، جو اپنے خالق کی طرح بے اعتنائی کا شکار رہا۔ مدتوں زمانے کی نگاہوں سے

مخفی رہنے کے بعد اسے لوگوں میں پذیرائی حاصل بھی ہوئی تو کسی اور نام کی نسبت سے۔

(ج) مخفی باصطرح کا رہنے والا تھا۔ اور ایران کے دوسرے شعراء کی طرح قدر دانی کے خیال سے برصغیر آیا تھا۔

(د) دربار میں اسے رسائی حاصل نہ ہو سکی۔

(ر) وہ یہاں طرح طرح کے مصائب و آلام جھیلتا رہا۔ حتیٰ کہ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

(س) وہ باوجودیکہ قادر الکلام شاعر تھا لیکن اس کے جوہر لوگوں کی نگاہوں سے مخفی ہی رہے۔

دیوان مخفی کے سلسلے میں بات قدرے طویل ہو گئی ہے لیکن میں اسے بوجوہ ضروری سمجھتا ہوں اس لئے کہ جیسی ڈنکن ویسٹ بروک نے مگن لال کے اشتراک سے جن پچاس غزلوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے وہ اسی مجموعے کی ہیں۔ گویا وہ بنیاد ہی سرے سے غلط ہے جس پر جیسی نے اپنے مفروضات کی عمارت اٹھائی ہے۔ اور نثر میں ایسا مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں تاریخی حقائق محض نام کو ہیں اور سنی سنائی باتیں زیادہ ہیں۔ مشرقی علوم و آداب کے بارے میں مغرب کی تحقیقی نظر کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے اور اس میں جو مخصوص مقاصد پنہاں ہیں وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اس میں کسی حد تک ہم خود بھی قصور وار ہیں کہ بلا تحقیق ہر کس و ناکس کے بیان کو درست تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس دیوان کے جتنے بھی مطبوعہ نسخے میری نظر سے گذرے ہیں ان میں سوائے نولکشور کے ایک نسخے کے باقی سب کے سب زیب النساء سے منسوب کئے گئے ہیں۔ مطبع مجیدی کانپور کی طرف سے شائع ہونے والے دیوان مخفی کے اختتامیے میں ہے۔

" امابعد بر صیرفیان بازار معانی و جوہریان بازار سخندانی پوشیدہ مباد کہ درین ایام خجستہ آغاز ہمایوں انجام کلام بلند پایہ عالم از نواب زیب النساء بیگم معروف بہ دیوان مخفی کہ در وصفش زبان قلم گنگ و پای ارادت لنگ است حسب فرمائش جناب حاجی محمد سعید صاحب تاجر کتب کلکتہ خلاصی ٹولہ نمبر (۵۵) در مطبع مجیدی پٹکاپور کانپور باہتمام راجئ رب رشید محمد عبدالمجید بماہ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ بمطابق ماہ اکتوبر ۱۹۱۲ء بلباس طبع آرائش یافتہ آویزہ گوش روزگار گردید۔ "(۳۸)

لاہور میں طبع ہونے والے نسخوں کا بھی یہی عالم ہے۔ اس کے برعکس نولکشوری نسخے کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے۔

"درین ایام ہمایوں انجام کلام فصاحت التیام سراپا مملو از شوخی یعنی دیوان مخفی کہ از تیز دستی نقاد سخن سرآمد شعرائی نامی اہل زبان رشتی است۔"(۳۹)

اور دیوان کی اندرونی شہادتیں نولکشوری نسخے پر درج شدہ عبارت کی تائید کر رہی ہیں۔ اس میں خلط بحث کی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اسی دیوان میں ہم یہ غزل دیکھتے ہیں۔

گرچہ من لیلیٰ اساسم دل چو مجنوں در ہواست	سر بصحرا می زنم لیکن حیا زنجیر پاست
بلبل از شاگردیم شد ہمنشین گل بباغ	در محبت کاملم پروانہ ہم شاگرد ماست
در نہاں خونیم ظاہر گرچہ رنگ نازکم	رنگ من در من نہاں چوں رنگ سرخ اندر حناست
بسکہ بار غم برون انداختم بر روزگار	جامہ نیلی کرد اینک بین کہ پشت او دوتاست
دختر شاہم و لیکن رو بفقر آوردہ ام	زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النساست(۴۰)

یہی غزل بادنیٰ تغیر مطبع مجیدی کے نسخے میں بھی شامل ہے۔

شاید اسی غزل کی بنا پر اس دیوان کو زیب النسار کا دیوان سمجھ لیا گیا۔ مطبع مجیدی اور دیگر مطابع کے نسخوں میں تو اس ضمن میں کوئی وضاحت نہیں ہوئی۔ نولکشوری نسخے کے حاشیے میں اس کے مصحح کی یہ عبارت قابل غور ہے۔ "این غزل در ہر دو نسخہ قلمی کہ برای مقابلہ پیش نظر بودند، یافتہ نشد۔"(۴۱) یعنی یہ غزل الحاقی ہے۔ لیکن معلوم نہیں کہ اس کے بعد بھی کہ اس دیوان کو مطبع نولکشوری کے کارپردازوں نے ایک اہل زبان رشتی شاعر کا دیوان قرار دیا ہے، پھر اس میں اس غزل کی شمولیت کس جواز کی بنا پر ضروری سمجھی گئی۔ ناقدانہ نقطۂ نظر سے دیکھئے تو اس غزل کا اسلوب، زبان، لہجہ اور دیگر قرائن اس مجموعے کی دوسری غزلیات سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ غزل اس مجموعے میں کیسے شامل ہوئی اور کس نے کی؟ اس کے متعلق جب تک کافی و وافی معلومات مہیا نہ ہوں، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بہر حال اس دیوان میں اگر زیب النسار کی کوئی چیز موجود ہے تو وہ یہی غزل ہے۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ اس میں اس کا نام آگیا۔

اس موقع پر سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ جب یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ زیب النسار شاعرہ تھی تو اس کا کلام کیا ہوا؟ گذشتہ سطور میں آپ علامہ شبلی کی رائے ملاحظہ کرچکے ہیں۔ یہاں ان کا تفصیلی بیان دیکھئے۔

"اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ شاعرہ تھی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کلام ضائع ہو گیا۔ اسی تذکرے (مخزن الغرائب) میں ملا سعید اشرف کے حال میں لکھا ہے کہ زیب النساء کی بیاض خاص ایک خواص کے ہاتھ سے جس کا نام امادت فہم تھا، حوض میں گر پڑی۔ چنانچہ سعید اشرف نے اس پہ ایک قطعہ لکھا۔ غالباً یہ اشعار کی بیاض ہوگی۔"(۴۲)

علامہ کا خیال ہے کہ زیب النساء کا سارا کلام شاید اسی بیاض میں جمع تھا۔ ملا سعید اشرف کے معذرت نامے کا ایک حصہ ملاحظہ ہو۔

ای ادا فہمی کہ بیشت فاضلانِ عصر را — شستنِ مجموعۂ اندیشہ باب افتادہ است
در خمِ افلاطون زیادِ دانشت سرخوش بود — ہمچو مخموری کہ در فکر شراب افتادہ است
ذہن صافت تا علم گردید در دانشوری — طبع افلاطون زبس در اضطراب افتادہ است
دفتر فرہنگ در طبعش مجزا گشتہ است — از کفش مجموعۂ دانش در آب افتادہ است
آن بیاض خاصہ شاہی کہ در اطراف آن — جای افشان نقطہ ہای انتخاب افتادہ است
آن مرصع خوان گہر ریزی کہ باشد جلوہ گر — در الفاظش بہی بی آب و تاب افتادہ است(۴۳)

خیر کچھ بھی ہو جب تک اس سلسلے میں مزید حقائق سامنے نہیں آجاتے، ہمیں یہ ماننا ہی پڑے گا کہ زیب النساء کا کلام زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ تذکروں میں جس قدر اشعار نقل ہوئے ہیں ان کے بارے میں احمد علی سندیلوی کی رائے آپ کی نظر سے گزر چکی ہے۔ اگر اس نوع کے انتخاب میں زیب النساء کا کچھ کلام ہے بھی تو وہ دوسروں کے اشعار کے ساتھ اس قدر خلط ملط ہو گیا ہے کہ اسے الگ کرنا امر محال نظر آتا ہے۔ اسے بھی ہماری تاریخ ادب کا ایک المیہ سمجھئے کہ جس کی سرپرستی میں بڑے بڑے علماء و شعراء نے اپنے تصنیفی و تخلیقی جوہروں کو چمکتے دیکھا خود اس کا کلام ناپید ہے۔ احمد علی سندیلوی نے مخزن الغرائب میں زیب النساء کے مجموعۂ مکاتیب زیب المنشآت کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ کتاب بھی اس تذکرے کے مولف کے سوا کسی نے نہیں دیکھی۔

حوالہ جات

۱۔ ہمایوں نے شعر گوئی کی طرف ہر حال میں توجہ کی۔ اس کے دیوان کا ذکر ابوالفضل نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"و توجہ عالی بہ شعر و شعراء نیز داشتند۔ و آنجا کہ طبع موزون از خصائص فطرت سلیم است، در خلال اوقات واردات
قدسی را چہ از حقیقت و چہ از مجاز در سلک نظم می کشیدند و دیوان شعر حضرت در کتابخانۂ عالی موجود است۔"
(اکبر نامہ۔ ابوالفضل)

۲۔ مآثر عالمگیری (اُردو ترجمہ) محمد ساقی مستعد خان

۳۔ مقالات شبلیؒ

۴۔ ساقی مستعد خان۔ مآثر عالمگیری (اردو ترجمہ) ص ۴۷۹ و مقالات شبلی

۵۔ ساقی مستعد خان۔ مآثر عالمگیری (اُردو ترجمہ) ص ۴۷۹

۶۔ مقالات شبلیؒ جلد پنجم

۷۔ بحوالہ "زنان سخنور" مولفہ علی اکبر مشیر سلیمی

۸۔ تذکرہ بہارستان ناز ص ۱۹۹ طبع مجلس ترقی ادب لاہور

۹۔ سید سلیمان ندویؒ۔ "تاج محل اور لال قلعہ کے معمار" مشمولہ کتاب "تاج" مرتبہ محمود بنگلوری ص ۱۲۰، مطبوعہ لاہور۔

10 - Jessie Duncan West Brook; "Diwan of Zeb-un-Nisa" Introduction pp. 3,4 published by Orientia, Lahore, 1954.

۱۱۔ سیدا رنگانی۔ "زیب النساء مخفی" مجلہ "سخن" تہران بابت دی و بہمن ۱۳۵۴ شمسی

۱۲۔ مقالات شبلیؒ۔

۱۳۔ ملاحظہ ہو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کا مقالہ "شہزادی زیب النساء کے نام چند غیر مطبوعہ خطوط" مطبوعہ مجلہ "نقوش"
لاہور سالنامہ بابت مئی، جون، جولائی ۱۹۶۹ء

14 - Jessie Duncan West Brook "Diwan of Zeb-un-Nisa" Introduction pp.

۱۵۔ شاہجہان کے ایام اسیری اور عہد اورنگ زیب۔ ڈاکٹر برنیئر۔ مترجمہ خلیفہ سید محمد حسین مطبوعہ نفیس اکیڈمی کر
ص ۳۶، ۴۰

۱۶۔ شقہ جات عالمگیر ورق ۵۲ کتب خانہ آصفیہ نمبر ۱۳۵ انشاء۔ اس حوالے کے لیے میں محترم ڈاکٹر عبداللہ
کا ممنون ہوں۔ ملاحظہ ہو "واقعات عالمگیری" مرتبہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی مقدمہ ص ج مطبوعہ لاہور ۳۶،

۱۷۔ مآثرالامراء، شاہنواز خان صفوی جلد دوم

۱۸۔ مآثر عالمگیری۔ ساقی مستعد خان ص ۳۶۰ (اردو ترجمہ)

۱۹۔ "زنان سخنور" مؤلفہ علی اکبر مشیر سلیمی جلد دوم۔ ذکر زیب النساء مخفی۔

۲۰۔ سدار نگانی "زیب النساء مخفی" مطبوعہ مجلہ "سخن" تہران بابت دی وبہمن ۱۳۵۴ شمسی۔

۲۱۔ مجلہ "ہلال" کراچی بابت مارچ ۱۹۶۴ء مقالہ بعنوان "پارہ لعلی کہ دارم" از حسنین کاظمی۔

۲۲۔ "مزار الشعرای کشمیر" از منشی محمد دین فوق مشمولہ "ادبی دنیا" کشمیر نمبر بابت مارچ واپریل ۱۹۶۲ء نیز دیکھیے
ایران صغیر و کبیر مرتبہ محمود عبداللہ قریشی۔

۲۳۔ فوق مرحوم نے اس شعر سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ بھی لکھا ہے۔ حکیم حمام کے فرزند حکیم حاذق صاحب دا
تھے۔ ایک مرتبہ شیدا (شیدا فتح پوری) ان کی ملاقات کو گئے۔ شعر وشاعری کا تذکرہ ہوتا رہا۔ حکیم نے اپنی غزل کا
یہ مطلع پڑھا۔

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا — بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

"شیدا تو ظریف الطبع تھے۔ مسکرا کر بولے۔ یہ شاید اس زمانہ کا ذکر ہے جب داڑھی نہ نکلی ہوگی۔ حکیم کو اس پر ندامت
آمیز غصہ آیا۔ پاس ہی پانی کا حوض تھا اس میں شیدا کو خوب غوطے دلوائے۔"

۲۴۔ ملاحظہ ہو عمل صالح از ملا محمد صالح کنبوہ جلد سوم ص ۴۰۸ مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور۔

۲۵۔ اس دیوان کے سلسلے میں مفصل بحث آگے آئے گی۔

۲۶۔ کلیم کاشی کب ہندوستان آیا؟ کب ایران گیا؟ اور پھر کیسے یہاں لوٹا؟ شاہجہان کے زمانے میں اس کی کیا قدر و منزلت

اور اس کی موت کہاں واقع ہوئی؟ ان تمام حالات کے لئے شعرالعجم حصہ سوم میں کلیم کا تذکرہ دیکھئے۔ بات صاف ہوجائے گی۔

۲۷۔ ساقی مستعد خان۔ مآثر عالمگیری ص ۲۴۴ (اردو ترجمہ)۔

۲۸۔ مقالات شبلی جلد پنجم۔

29 - Edwardes and Garette, "Mu‥al Rule in India pp. 232

۳۰۔ ساقی مستعد خان۔ مآثر عالمگیری ص ۲۵۹ (اردو ترجمہ)۔

۳۱۔ ساقی مستعد خان۔ مآثر عالمگیری ص ۳۲۳ (اردو ترجمہ)

۳۲۔ "مغل رول ان انڈیا" کے مصنفین اس پر یوں افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

"ONE CANNOT HELP EXPRESSING A WORD OF REGRET THAT MODERN VANDALISM IN THE GUISE OF CONSTRUCTORS OF THE RAJPUTANA RAILWAY SHOULD HAVE DEMOLISHED THE TOME WHICH AURANGZEB ORDERED TO BE BUILT FOR HER REMANS IN THE "GARDEN OF THIRTY THOUSAND TREES" OUTSIDE KABULI GATE OF DELHI - PP : 232

۳۳۔ مقالات شبلی جلد پنجم۔

۳۴۔ مقالات شبلی جلد پنجم۔

۳۵۔ مخزن الغرائب بحوالہ "بزم تیموریہ" صباح الدین عبدالرحمٰن ص ۴۶۰۔

۳۶۔ بزم تیموریہ۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے ص ۴۶۰ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء۔

۳۷۔ یہ شعر بھی دیکھئے۔

مخفی و ہمین بر دل تو بار فراق است　　　هر جا پدری هست فراق پسری هست

۳۸۔ دیوان مخفی مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور۔

۳۹ - دیوان مخفی۔ مطبوعہ نولکشور باہتمام کیسر داس سیٹھ

۴۰ - ایضاً

۴۱ - دیوان مخفی مطبوعہ نولکشور

۴۲ - مقالات شبلی جلد پنجم ۔

۴۳ - مخزن الغرائب۔ بحوالہ مقالات شبلی و بزم تیموریہ ۔